ڈاکٹر حبیب اللہ

پروفیسر سید احتشام حسین بہ حیثیت شاعر

پروفیسر احتشام حسین ۱۱/ جولائی ۱۹۱۲ء کو موضع اتر ڈیہہ میں سید محمد قاسم (احتشام صاحب کے پھوپھا) کے یہاں پیدا ہوئے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس زمانے میں قصبہ ماہل میں طاعون کافی زوروں پر تھا۔ اس لیے احتشام کے خاندان کے سبھی افراد اتر ڈیہہ چلے گئے اور وہیں احتشام حسین پیدا ہوئے۔

احتشام حسین کا سلسلۂ نسب ملّتِ جعفریہ کے آٹھویں امام، امام رضا مدفون مشہد پر ختم ہوتا ہے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ عہد اکبری میں ایران سے ہندوستان آئے اور فیض آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ بعد میں اسی خاندان کے ایک بزرگ میر مہر علی کسل گانو ضلع اعظم گڑھ آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ پھر احتشام حسین کے دادا نے کسل گانو کو ترک کر کے قصبہ ماہل تحصیل پھول پور ضلع اعظم گڑھ میں اقامت اختیار کر لی۔ ان کے خاندان سے ملازمت، زمینداری اور ادب سے لگاؤ ہمیشہ رہا۔ احتشام کے گھر کا ماحول اور رہن سہن متوسط طبقے کا تھا لیکن ماہل میں ان کا مکان ''بڑی چھاونی'' کے نام سے اب بھی یاد کیا جاتا ہے۔

احتشام صاحب کی مذہبی تعلیم گھر پر ہوئی۔ وہ بچپن سے ہی بہت ذہین تھے۔ اس لیے چھ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کر کے دینیات پر عبور حاصل کر لیا۔ احتشام نے ابتدائی تعلیم اپنے پھوپھا سید محمد قاسم کے ساتھ رہ کر گورکھپور میں حاصل کی۔ اپنے قصبہ کے مڈل اسکول سے انھوں نے ۱۹۲۸ء میں مڈل فرسٹ کلاس پاس کیا۔ مزید انگریزی تعلیم کے لیے شہر اعظم گڑھ کے وِسلی اسکول میں داخلہ لیا۔ اسی دوران یعنی ۱۹۲۹ء میں احتشام کے والد کا انتقال ہو گیا۔ احتشام اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، اس لیے ان کے سر پر گھر کی تمام ذمہ داریاں آ گئیں۔ اس سلسلے میں احتشام کے چچا سید ابو محمد عیش نے بڑی مدد کی اور اپنے بھتیجے کی تعلیم مکمل کرانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں وسلی اسکول سے ہائی اسکول اور ۱۹۳۲ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان الہ آباد گورنمنٹ کالج سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اس کے بعد بی۔اے کے امتحان میں ۱۹۳۴ء میں الہ آباد یونیورسٹی میں اول آنے پر انھیں چنتامنی گھوس گولڈ میڈل عطا کیا گیا۔ پھر اسی یونیورسٹی سے ایم۔اے (اردو) کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے پر الہ آباد یونیورسٹی کا سب سے بڑا تمغہ (امپریس وکٹوریہ گولڈ جبلی میڈل) عطا کیا گیا۔ مزید براں انھوں نے ایل۔ایل۔بی میں داخلہ لیا لیکن لکھنو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لیکچرر ہو جانے پر وکالت کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی۔ وہ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۶۱ء تک لکھنو یونیورسٹی میں معلم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۱ء میں سید احتشام حسین کو صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے

الٰہ آباد بلالیا گیا۔ اور آخری وقت تک اسی عہدے پر رہ کر اردو اَدب کی خدمت کرتے رہے۔

احتشام حسین کی شادی ۱۹۴۰ء میں قصبہ نگرام ضلع لکھنو کے سید حسن عسکری صاحب کی چھوٹی صاحب زادی محترمہ ہاشمی بیگم سے ہوئی۔ یہ بھی شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھتی ہیں۔ احتشام صاحب سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے سید جعفر عباس شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی میں لکچرر ہیں۔

پروفیسر احتشام حسین کو ترقی پسند تحریک سے وابستگی طالب علمی کے دوران ہی ہو چکی تھی۔ جو آخری وقت تک برقرار رہی۔ جب وہ ایم۔اے کے طالب علم تھے تبھی سے وہ اس تحریک کے ایک سرگرم رُکن کی حیثیت سے شمار ہونے لگے۔ ترقی پسند مصنفین کی صف میں امتیازی حیثیت رکھنے والے احتشام حسین، اپنی تحریروں اور تقریروں سے اس تحریک پر ہونے والے پے در پے حملوں کا بڑی سنجیدگی، متانت اور پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیتے رہے۔ جس سے ان کا علمی ذوق پروان چڑھا اور ان کی تصنیفی صلاحیتیں چمک اٹھیں۔

انھوں نے طالب علمی کے دوران اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے ایک رُکن کی حیثیت سے بہت کام کیا۔ اس فیڈریشن کے ہر اجلاس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور اسے پُروقار بنانے میں نئی نئی اسکیم کے تحت دیگر کارکنوں کی ہمت افزائی کرتے رہے۔

بعض ترقی پسند مصنفین کا تعلق کمیونسٹ پارٹی سے بھی ہوتا ہے لیکن احتشام صاحب کا اس سے باقاعدہ تعلق کبھی نہیں رہا۔ بقول سجاد ظہیر ''احتشام حسین کمیونسٹ پارٹی کے باقاعدہ ممبر کبھی نہیں رہے لیکن ہم ان کو ہمیشہ اپنا سمجھتے رہے''۔ (۱)

احتشام حسین ترقی پسند مصنفین ہونے کے ساتھ ہی پرانی روایات کا ہمیشہ خیال کرتے تھے۔ وہ بے حد سنجیدہ اور سلجھے دماغ کے انسان تھے اور سجاد ظہیر کے قول کے مطابق ''ان کی تہذیب اور شرافت کا معیار غالباً غیر ترقی پسند یا جاگیردارانہ تھا یا شاید اپنے اسی معیار کو وہ ترقی پسند کے مطابق سمجھتے ہوں''۔ (۲)

احتشام حسین اردو تنقید پر بے پناہ درک و بصیرت رکھتے تھے۔ حالؔی نے جس کام کو شروع کیا تھا احتشام نے اسے صرف آگے ہی نہیں بڑھایا بلکہ اس کو ایک نئی راہ عطا کی۔ احتشام صاحب کی تحریروں میں انسان دوستی، شرافت، حب الوطنی، ظلم و استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے کا جذبہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ تعصب و جہالت کا خاتمہ کرنے اور مساوات و اشتراکیت پر عمل پیرا رہنے کی ترغیب بھی۔ چنانچہ اگر ان اصولوں کی پابندی کوئی شاعر یا ادیب کرتا تو وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک اچھا ادب وہی تھا جسے پڑھنے اور سننے سے قاری اور

۱۔ احتشام حسین اور ترقی پسند تحریک۔ سجاد ظہیر: ''آج کل'' احتشام حسین نمبر، اپریل ۱۹۷۳ء۔ ص ۸ —
۲۔ ایضاً

سامع کے دلوں میں گرمی پیدا ہو جائے۔

احتشام کے گھر میں علم و ادب سے خاصا لگاؤ تھا۔ دوسرے ان کا خاندان مذہبی قسم کا تھا۔ آئے دن وطن میں ہونے والی مذہبی مجالس میں احتشام نوحے، مراثی پڑھتے اور پرزور تقریریں بھی کرتے تھے۔ مزید بریں بیت بازی اور ادبی نشستوں میں بھی شریک ہوتے تھے کیوں کہ ''جدید علوم اور ادب کے ساتھ احتشام کا مذہب اور خصوصاً اسلام اور تصوف کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا''۔ (۱)

احتشام کے بچپن کے ایک واقعہ پر وفیسر اعجاز حسین لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے :

''اس قصباتی ماحول میں شعر و شاعری، ادب و ادیب پر رائے زنی اس عہد تک معاشرہ کی تفریحی اور علمی دلچسپی کی امتیازی خصوصیت تھی۔ بڑے بوڑھے شام کو جمع ہو جاتے تھے تو منجملہ دیگر موضوعات کے کبھی کسی شعر یا شاعر کے بیان سے گرمی محفل پیدا کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں میر انیسؔ، داغؔ، اور امیرؔ کا کلام پڑھا جاتا اور عہد جدید کے رجحانات پر رائے پیش کی جاتی۔ میرے بچپن میں گھر پر زمینداری کے معاملات کے بعد شعر و شاعری کا چرچا رہتا۔ بیت بازی کے دوران احتشام اور ان کے دوسرے دوست میں یہ معاہدہ ہوا کہ ہم لوگ جو باتیں کریں وہ نظم میں ہوں گی۔ چنانچہ یہ عمل کافی دنوں تک چلتا رہا۔ ایک مرتبہ احتشام کے حریف شہر جا رہے تھے اور احتشام کو کچھ منگانا تھا۔ ایسے موقع پر کوئی شعر موزوں نہ ہو سکا اور احتشام نے یوں کہا ۔

'' نثر میں ایک بات کرنا ہے'' (۲)

یہیں سے احتشام کی شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ان کو لسانیات اور تنقید سے خاص لگاؤ تھا۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے لیکن اردو شاعری کی دنیا میں ان کے شعری اکتسابات اہم ہیں۔ ان کا ایک شعری مجموعہ ''روشنی کے دریچے'' احتشام اکیڈمی الٰہ آباد سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ کے شروع میں چند رباعیاں ہیں۔ ان میں رباعی کا پورا انداز ملتا ہے اور آخری مصرعہ میں کافی زور پیدا کرنے کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ ان رباعیوں میں جوانی کی تفسیر مختلف انداز میں کی گئی ہے اور عہد شباب کے حیات آفریں اور حاصل زندگی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش میں بڑی بڑی نکتہ آفرینیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ان رباعیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ احتشام نے انیسؔ کے اثرات خاص طور سے قبول کیے ہیں۔ ان کی آواز میں انیسؔ کا خیال کروٹیں بدلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ۔

اک روز بڑھاپے میں کماں ہوتا ہے ۔۔۔۔ اور چادرِ خاک میں نہاں ہوتا ہے
کس طرح رکھیں دل سے جوانی کو عزیز ۔۔۔۔ جب مر کے پھر اک بار جواں ہوتا ہے

۱۔ احتشام صاحب کا تاثراتی خاکہ۔ ڈاکٹر وحید اختر، ''نیا دور''۔ احتشام نمبر مئی - جون ۱۹۷۳ء، ص ۶۳

۲۔ احتشام حسین۔ ذہن و کردار کی ابتدائی نشوونما۔ اعجاز حسین، ''آج کل''، احتشام نمبر اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۲۵-۲۶

بے لطف شباب زندگانی کیسی ۔ گرمائے نہ جو دل کو وہ کہانی کیسی
تیزی ہو طبیعت میں تو ہو دل میں امنگ جو آگ نہ برسائے جوانی کیسی

منجمد کردوں آفتاب کو میں ٹوٹنے بھی نہ دوں حباب کو میں
جلد آنے کا گر کرو وعدہ روکوں جاتے ہوئے شباب کو میں

احتشام کی ان رباعیوں میں تفکر بھی ہے اور خیالات کا اچھوتا پن بھی۔ زندگی کے تجربات و مشاہدات کا عکس بھی ہے اور زندگی کی معنویت کا احساس بھی۔ رباعی کا فن بڑھاپے میں نکھرتا ہے اور یہ فن تجربات و مشاہدات اور زندگی کو گہرائی کے ساتھ دیکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ احتشام کی رباعیاں اس خصوصیت کی حامل ہیں۔

احتشام کی ابتدائی غزلیں رومانیت سے بھرپور ہیں۔ انھوں نے ان غزلوں میں وارداتِ قلب کا اظہار کیا ہے اور اس وادیٔ پُر خار میں بربادیوں اور ناکامیوں کا بیان اس طرح کرتے ہیں :

کاٹی ہے انتظار میں مشکل سے شامِ غم اب آیئے حضور کی تاخیر ہو چکی
جاں دینے پر بھی آپ نہ آئے ہزار حیف جو اختیار میں تھی وہ تدبیر ہو چکی

کتنی پرپیچ و خطرناک ہے راہِ اُلفت اس کے ہر ذرّے کا ممکن ہے بیاباں ہونا

میرے مرنے کا انتظار نہ تھا خود سے شانہ ہلا کے دیکھ لیا
بھول جانا انھیں محال سا ہے ہر طرح سے بھلا کے دیکھ لیا

سیرِ چمن کا ذکر کہاں ان کے بعد سے میرا تو اب ادھر سے گذرنا محال ہے

احتشام کی غزلوں میں رجائیت کا پہلو بھی بہت نمایاں ہے۔ وہ صبحِ وطن کی بے رونقی کو محسوس کرتے ہیں مگر شامِ غریباں جیسی بے لطفی سے اس کو محفوظ بتاتے ہیں۔ چوں کہ احتشام کی زندگی بڑے پرپیچ راستوں سے گزر کر منزلِ نشاط تک پہنچی تھی اس لیے وہ زیادہ تر رجائی پسند طبیعت کے مالک رہے۔ سخت ترین حالات میں بھی انھوں نے امید کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

روشن نہ سہی صبحِ وطن اے دلِ پرشوق بے رونقیِ شامِ غریباں تو نہیں ہے
اک یاد بہاریں لیے جاتی ہے اکثر دل کا چمن اتنا ابھی ویراں تو نہیں ہے

نہ ترا ظلم گیا رائگاں نہ شوق مرا　　اسی لہو سے نیا آفتاب ابھرا ہے

نہ جانے ہار ہے یا جیت کیا ہے　　غموں پر مسکرانا آ گیا ہے

تیر آلام و حوادث نے چلائے کتنے　　جی رہا ہوں ترا غم سینہ سپر ہے کہ نہیں؟
زندگی اور نئی لگتی ہے دل والوں کو　　گرچہ ہر بار وہی لیل و نہار آئے ہیں
وادیٔ شب ہیں اُجالوں کا گزر ہو کہ نہ ہو　　دل جلائے رہو پیغامِ سحر آنے تک

احتشام جدیدیت سے سخت نالاں تھے۔ وہ جدید رجحانات پر کبھی کبھی برستے بھی تھے۔ انھیں جدید شعراء کی یاسیت، احساسِ تنہائی اور فردکی اجتماعیت سے دوری پر سخت اعتراض تھا۔ وہ ان باتوں کو مصنوعی سمجھتے تھے۔ انھوں نے فرد کی تنہائی والے رجحان پر اپنی ایک آزاد نظم ''فرد'' میں یوں طنز کیا ہے ؎

دورِ خزاں پر پیڑ نے جھیلا
لطف بہار ہر اک نے اٹھایا
سر جوڑے سب پاس کھڑے ہیں
لیکن پھر بھی اکیلے ہیں
کیا انسان بھی پیڑ ہی ہے ؟

احتشام ترقی پسند شاعر تھے۔ ان کے اندر دردِ قومی پوری طرح سرایت کر چکا تھا۔ وہ اپنے شعری اور فکری میلانات اور رجحانات سے سماجی اور عصری ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔ ''نظامِ کہنہ'' کے عنوان سے ان کی قومی نظم کافی مشہور ہے :

ہم نشیں کھٹکی تو ہوگی تجھ کو بھی یہ اک بات　　کب سے گھیرے ہے نظامِ کہنہ کی تاریک رات
اس شبِ تاریک کی آغوش میں ہے وہ جہاں　　جس جگہ اڑتی ہے عدل و حریت کی دھجیاں
جس جگہ مفلس کھڑے ہیں کارواں در کارواں　　حکمراں ہیں جس جگہ زردار کی عیاریاں
جس جگہ قانون کے ڈر سے زباں ہلتی ہے　　جس جگہ بیمار مفلس کو دوا ملتی نہیں

اس نظم کے آخری دو شعر میں قوم کے سوتوں کو بیدار کرنے اور نظامِ کہنہ کو مٹانے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

وقت کی آواز ہے ہم کو ابھرنا چاہئے　　اس تضادِ زندگی کو ختم کرنا چاہئے
جس نے روکا ہے ترقی سے یہی زنجیر ہے　　اس نظامِ کہنہ کی تخریب بھی تعمیر ہے

احتشام نے جن نظموں میں سیاسی اشارے کیے ہیں وہ وسیع پیانے پر دوسروں کو متاثر کرتی ہیں۔ ان کی نظموں میں ان کی شخصیت کا پرتو پایا جاتا ہے۔ انھوں نے نظم ''سبز رنگ'' میں کچھ سیاسی اشارے اس طرح کیے ہیں۔

ہاں مگر بانکپن کچھ اور ہی، سبز پرچم کی مرے
زندگی بخش، جواں سال بہاروں کا رنگ
جذبۂ کوہکنی، تیشہ زنی، دل فگنی
سبز پتی نے بہاروں کے جگر کاٹ دیے
بن کے الماس کبھی اور کبھی خنجر بن کر
بن گیا زہر ستم گر کے لیے
ان پہاڑوں میں صنم گر بھی نہ رہے
سبز ہے رنگ مرا، مرے ارماں کا بہاروں کا رنگ
سبز آغازِ محبوب کا رنگ
اور پھر زہر کا رنگ
مرگ بھی زیست بھی، سب کچھ اسی اڑتے ہوئے سبزے کے تلے۔

احتشام نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ انھوں نے افسانے ڈرامے، سفر نامے، مزاحیہ کہانیاں اور تنقید سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین کے کئی مجموعے شایع ہو چکے ہیں۔ ان سب کے باوجود وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اگر چہ وہ اپنی شاعری پر پوری توجہ نہیں دے سکے مگر پھر بھی ان کی غزلیں، نظمیں اور رباعیاں خاصے کی چیزیں ہیں۔

''بعض شاعروں اور نقادوں کو احتشام صاحب کی شاعری سے اختلاف تھا۔ انھوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ ''منہ کا مزا بدلنے کے لیے'' شاعری کرتے ہیں۔ جب ان کی شاعری کے بارے میں انھیں چھیڑا جاتا تو وہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کا موضوع بدل دیتے لیکن ان پر کی گئی تنقید یا اعتراضات یا چھیڑ چھاڑ کا برا نہ مانتے''۔ (۱)

احتشام حسین یکم دسمبر ۱۹۷۲ء کو ابدی نیند سو گئے مگر انھوں نے ادب پر اپنی شخصیت اور فن کی گہری چھاپ ڈالی ہے۔ اردو والے برسوں تک اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔ ●●●

Deptt of Urdu, D.A.V. Degree College, Ausanganj, Varanasi [U.P]

---

۱ پیکر اخلاق و مروت۔ برق آشیانوی۔ ''شاہکار'' بنارس احتشام نمبر۔ نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۳ء۔ ص ۲۲۵

فہرست

مشورت ادراک و ہشیاری دہد
عقلہا را عقلہا یاری دہد (مولانا روم)

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے (اقبال)

ادراک گوپال پور

اکتوبر۔نومبر۔دسمبر ۲۰۰۴ء

۴

مجلس مشاورت

ڈاکٹر مختار الدین احمد
ڈاکٹر عارف نوشاہی
پروفیسر نادم بلخی
ڈاکٹر ظفر کمالی
ڈاکٹر ارشاد حسن معصومی
ڈاکٹر ولی احمد ولی

معاونین

محمود الحسن
فہیم جوگاپوری
امانت حسین
ارشاد احمد
فاروق سیوانی
چن شرما شرر سیوانی
سید محمد نعیم

مدیر (اعزازی)

سید حسن عباس

زرِ سالانہ	۱۰۰ روپئے
لائبریریوں سے	۲۰۰ روپے
اس شمارے کی قیمت	۵۰ روپے
بیرون ممالک فی شمارہ	۵ ڈالر
سالانہ	۱۲ ڈالر

ترسیل زر کا پتا
ڈاکٹر نذر عباس
گوپال پور، باقر گنج، سیوان
بہار - ۸۴۱۲۸۶ (ہند)
فون نمبر۔ ۲۲۳۳۱-۰۶۱۵۴

زیر اہتمام: مرکز تحقیقات اردو و فارسی گوپال پور۔ باقر گنج، سیوان۔ بہار (ہند)

کمپوزنگ: کمپیوٹر گیلکسی، بحیثیان نو پر مارکیٹ کے سامنے، بڑا امندر روڈ، پٹنہ۔۲۔ موبائل نمبر 0612-3337368

پرنٹر، پبلشر، اڈیٹر سید حسن عباس نے [illegible] چھپوا کر دفتر ادراک گوپال پور، باقر گنج، سیوان (بہار) سے شائع کیا۔

گوپالپور
ادراک
مدیراعزازی
ڈاکٹر سید حسن عباس